تاریخ ادب اردو اور سرسید احمد خان

سمیرا بشیر
پاکستان

ABSTRACT :

History of Urdu Literature and Sir Syed Ahmed Khan" .

Dr. Jamil Jalibi is a multidimensional personality of Urdu literature. His literary services have many aspects and have earned him a high place in the field of literatur His book "History of Urdu Literature" is not only the most well-known of his works, but also a masterpiece of Urdu literature. The reason of its popularity is the extraordinary research on various genres of Urdu literatur. "History of Urdu Literature" comprises four volumes wherein he has presented the evolution of Urdu poetry and prose

in a detailed manner.

In the fourth volume ,he has made the Five Elements of Urdu literature: that is , Sir Syed Ahmed Khan Hussain Hali, Mohammed ,Altaf

Hussain Azad ,Shibli Nomani and Deputy Nazeer Ahmed .Dr.Jalibi has written about the different aspects of these literary giants.

Sir Syed Ahmed Khan was the most eminent of these Five Elements of Urdu literature. Dr. Jamil Jalibi has fammiliarised us with a factual research on the different aspects of his literary and educational services. At some points, he has even presented some details of previously researched material.

☆☆☆

ڈاکٹر جمیل جالبی اردوادب کی ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔اِن کی ادبی خدمات کے کئی حوالے ہیں۔اردوادب کے ہر میدان میں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کالوہا منوایا۔

اِن کیتصنیف ''تاریخ ادب اردو'' ڈاکٹر جمیل جالبی کی ہی نہیں بلکہ اردو ادب کی مقبول ترین اصناف میں سے ایک ہے۔اس کتاب کی مقبولیت کی وجہ ادب کی مختلف اصناف کی غیر معمولی تحقیق ہے انہوں نے ادب کی ہر صنف کے پہلو کا جائزہ لیا ہے۔

''تاریخ ادب اردو'' چار جلدوں پر مشتمل ہے۔جس میں انہوں نے اردوشاعری اور نثر کی مختلف اصناف کا ارتقائی سفر بڑے مفصل انداز میں پیش کیا ہے۔

''تاریخ ادب اردو'' کی چوتھی جلد میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو کے عناصر خمسہ کا بھی بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔اردو کے عناصرِ خمسہ یعنی سر سید احمد خان ،مولانا الطاف حسین حالی ،محمد حسین آزاد،مولانا شبلی نعمانی اور ڈپٹی نذیر احمد نے جدید اردوادب کو متعارف کرانے اور ترقی دینے میں سر سید کا بھر پور ساتھ دیا اور ان سب کی کوششوں سے اردوادب کی اصناف کا دائرہ وسیع ہوا۔

سر سید احمد خان اردو کے عناصر خمسہ کے سب سے اہم رکن تھے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے اُن کی شخصیت اور علمی وادبی خدمات کو تین حصوں میں پیش کیا ہے۔

(۱) سوانحی حالات و واقعات (۲) شخصیت ومزاج (۳) تصانیف وتالیفات جمیل جالبی نے مذکورہ بالا پہلوؤں کو مدِنظر رکھ کرسرسید پر تحقیق کی ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے بعض جگہ تحقیق کے نئے نئے حقائق اور بعض جگہ تحقیق شدہ حقائق کی مزید تفصیلات سے آ گاہ کیا ہے۔

سرسید احمد خان کی رہنمائی اور قائدانہ صلاحیتوں کا ہی کمال تھا جس سے اُس دور کے نامور ادیبوں کوسرسید نے قائل کیا اوراُن ادیبوں نے سرسید کے مقاصد کو سمجھا اوراُن مقاصد کے حصول کے لیے سرسید احمد خان کا بھرپور ساتھ دیا اور ادب کی نئی نئی اصناف اور موضوعات کو نہ صرف متعارف کروایا بلکہ اُن کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔

سرسید احمد خان اردو ادب کا بڑا نام ہے۔اِن کی خدمات صرف اردو ادب تک ہی محدود نہیں بلکہ تعلیمی اور سیاسی میدان کے علاوہ انہوں نے مذہبی معاملات میں بھی اپنی خدمات پیش کیں گو کہ مذہبی معاملات میں انہیں مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑا۔

اردو ادب کی تاریخ چونکہ سرسید کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔اس لیے تقریباً ہر بڑے محقق اور نقاد نے سرسید کو اپنی تحقیقی اور تنقیدی تصانیف کا موضوع بنایا اور سرسید کے علمی ،ادبی ،سیاسی اور مذہبی خدمات کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔

''سرسید احمد خان ایک مختلف الحیثیات شخص تھے۔انہوں نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی میں میں سیاسی ، تعلیمی ،مذہبی ،ادبی ،تحقیقی ،غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں حصہ لیا۔انہوں نے عمل میں اپنا نقش چھوڑا اور ہر جگہ دیرپا اثرات چھوڑے۔۔۔۔وہ اردو ادب کے اولین معماروں میں تھے۔'' [۱]

لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی نے دوسرے نقادوں اور محققین کے مقابلے میں سرسید کی شخصیت اور فکری وفنی پہلوؤں کو غیر معمولی انداز سے اُجاگر کیا ہے۔

مثلاً سرسید کے والد میر متقی کے انتقال کے بعد انہیں مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو اُنہوں نے انگریز سرکار کی ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنے خالو صدرالدین امین دہلی مولوی خلیل اللہ خان سے منصفی کا کام سیکھنے کی اجازت مانگی جہاں انہیں ۱۸۳۹ء میں آگرہ میں نائب منشی مقرر کردیا گیا۔اِس عرصے میں سرسید نے منصفی کا امتحان پاس کرنے کے ساتھ ساتھ علمی وادبی

خدمات بھی پیش کیں۔

''- اس زمانے میں ''جام جم'' کے نام سے فہرست، جدول کی صورت میں مرتب کی جس میں امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک ۴۳ بادشاہوں کا حال قلم بند کیا۔ یہ ۱۸۴۰ء میں شائع ہوئی۔۔۔ اِسی زمانے میں سرسید نے ''جلاء القلوب بذکرالمحبوب '' (کے نام ۱۲۵۵ھ /۱۸۳۹) میں مستند روایات کی بنیاد رکھی، ''مولود شریف'' لکھا جو ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ میں شائع ہوا۔'' ۲

''۔۔۔اِسی زمانے میں تحفہءحسن''(۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴) ۳

اور ایک رسالہ ''تسہیل فی جزالثقیل''(مطبوعہ ۱۸۴۴) لکھا ۴

۱۸۴۲ میں سرسید دہلی آئے تو حکیم احسن اللہ کی سفارش پر بہادر شاہ ظفر نے انہیں ''دادا کے خطاب سے نوازا''

''۔۔۔۱۸۴۲ میں وہ دہلی آئے تو حکیم احسن اللہ نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے عرض کیا کہ دادا کا خطاب سرسید کو عطا کیا جائے بہادر شاہ ظفر نے درخواست منظور کی اور نہ صرف دادا کے خطاب ''جوادالدولہ'' سے سرفراز کیا بلکہ عارفِ جنگ کا بھی اضافہ کیا۔ ۵

سرسید کو جدید سائنسی علوم کے علاوہ مذہب سے بھی لگاؤ تھا اِس کے لیے انہوں نے دہلی میں مولوی نوازش علی، مولوی فیض الحسن اور مولانا مخصوص اللہ کو اسلامی تعلیمات کا استاد بنایا۔

''۔۔ یہاں سرسید احمد نے مولوی نوازش علی سے فقہ میں قدوری، شرح وقایہ اور نور الانوار پڑھیں، مولوی فیض الحسن سے مقاماتِ حریری ، سبعہ معلقات پڑھیں اور مولانا مخصوص اللہ سے مشکوٰۃ ، جامع ترمذی ، صحیح بخاری پڑھ کر قرآن مجید کی سند بھی لی۔'' ٦

اِس کے بعد سرسید احمد خان نے ''آثارالصادید'' مرتب کی جس میں دہلی کی عمارتوں اور نقشوں وغیرہ کی تفصیلات جمع تھیں، اِس سے پہلے دہلی کی عمارتوں کی تاریخی اہمیت اور پس منظر پر کسی نے توجہ نہ دی تھی۔''آثارِالصادید'' سرسید کی تصانیف میں خاص اہمیت رکھتی ہے اور اس کے بارے میں ہر مصنف نے تحقیق پیش کی ہے،

''۔۔۔اُن کی معرکتہ آلارا تصنیف'' آثارالصادید'' ہے۔ جو پہلی بار ۱۸۴۷ میں چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ پہلی کتاب ہے جو دہلی کی عمارات پر کمال تحقیق اور غیر معمولی محنت اور صحت سے لکھی گئی۔'' ۷

''آثارالصادید'' سرسید کی تصانیف میں خاص اہمیت رکھتی ہے، ڈاکٹر سید عبداللہ نے اِس پر یوں تبصرہ کیا ہے،

''صاحب جب فتح پور سے تبدیل ہو کر دہلی آئے تو اِس زمانے میں انہوں نے دہلی کی عمارات کا حال لکھا۔ اِس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۵۴ میں شائع ہوا۔ ۱۸۴۷ والے ایڈیشن کا اسلوبِ بیاں پُر تکلف ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں آسان اور سلیس زبان استعمال کی گئی ہے۔'' ۸

ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اُردو میں سرسید کی آثارالصادید کے بارے میں پوری تفصیلات کو کیوں بیان کیا ہے،

''۔۔۔آثارالصادید۔۔۔جس میں کچھ اوپر سوا سو عمارات دہلی کے حالات وتاریخ مع نقشہ جات مرتب کیے گئے تھے۔۔۔سرسید نے نہ صرف خود عمارت کے عرض وطول اور اُونچائی کی پیائش کی بلکہ ہر کتبہ کو اِس کے اصل خط میں اُتارا۔ ٹوٹی پھوٹی عمارتوں کے نقشے تیار کروائے۔ اِس کام میں مولانا امام بخش صہبائی۔۔۔اِن کے مددگار تھے۔

۔۔۔اِس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۷ میں شائع ہوا۔ یہ کتاب مسٹر رابرٹ نے انگلستان میں ''لائل ایشیاٹک سوسائٹی'' کو پیش کی اور ''سوسائٹی'' نے اِسے انگریزی زبان میں ترجمے کے لیے کہا:

''۔۔۔۱۸۵۴ میں اس کا نیا ایڈیشن شائع ہوا، اُدھر گارلیس دتاسی نے اِسے فرانسسی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۸۶۱ میں شائع کیا فرانسسی ترجمے کو دیکھ کر ۱۸۶۴ میں ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی'' نے سرسید کو اپنی فیلوشپ دی۔ ''آثارالصادید'' کے اِس دوسرے ایڈیشن کے کم وبیش سارے نسخے ۱۸۵۷ کی بغاوت میں تلف ہو گئے۔'' ۹

''آثارالصادید'' چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب شہر کے باہر کی عمارتوں کے بارے میں ہے جس میں ۱۳۵ عمارتوں کے علاوہ اِن کے کتبے اور نقشوں کا ذکر ہے۔

دوسرے باب: میں ''قلعہ معلیٰ کی عمارت کے حال میں''۔ اِس میں ۳۹ عمارتوں کا ذکر ہے۔

تیسرا باب: ''حال خاص شہر شاہجہاں آباد'' میں شہر کی مسجدوں، مندروں، مدرسوں، گرجا گھروں اور بازاروں کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

چوتھا باب: ''دلی اور دلی کے لوگ'' کے بیاں پر مشتمل ہے جس میں دلی کی عمارتوں مثلاً قلعہ رائے،

قصرِ سفید، قصرِ ہزار ستون، کوٹلہ فیروز شاہ تغلق آباد، وغیرہ کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

سر سید احمد خان نے بلاشبہ علمی اور ادبی خدمات کا سلسلہ اپنی زندگی تک جاری رکھا۔ اِن کی علمی وادبی خدمات میں وسعت بھی ہے اور جدیدیت بھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی تحقیق میں سر سید کی اُن تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے جس سے بیشتر لوگ ناواقف تھے۔

'' قیام دہلی کے زمانے میں سر سید نے کئی رسالے بھی تحریر کیے جس میں ''فوائد الافکار فی اعمال الفرجار'' ترجمہ ۱۸۶۴ قولِ متین در ابطال حرکتِ زمین، کلمۃ الحق، مؤلفہ ۱۸۴۹ء''

''راہِ سنّت در ردبدعت ''مؤلفہ ۱۸۵۰۔ منقہ در بیاں مسئلہ تصور شیخ بزبان فارسی مرقومہ ۱۸۵۲ء،

''سلسلۃ الملکوک'' مرتب ۱۸۵۲ اور ''کیمیائے سعادت'' کے چند اوراق کا ترجمہ مرقومہ ۱۸۵۳ شامل ہیں۔'' ۱۰

''تاریخ ضلع بجنور'' ۱۲ جون ۱۷۵۵ میں سر سید احمد خان مستقل صدرِ امین کی حیثیت سے بجنور چلے گئے۔ جہاں حکومتِ ہند کے کلیم پر ''ضلع بجنور'' لکھی لیکن ۱۸۵۷ کی جنگ میں یہ کتاب بھی تلف کر دی گئی۔

آئینِ اکبری: ۱۹۵۶ میں سر سید نے ابوالفضل کی ''آئینِ اکبری'' کی تصحیح کی۔

''۔۔۔آئینِ اکبری تین جلدوں پر مشتمل تھی جن میں سے دوسری جلد ۱۸۵۷ کے ہنگامے میں تلف ہوگئی اور اب صرف پہلی جلد مطبوعہ ۱۲۷۲ھ مل جاتی ہے۔'' ۱۱

تاریخ سرکشی بجنور: یہ کتاب ۱۸۵۸ میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب سر سید نے مراد آباد میں لکھی جس میں مئی ۱۸۵۷ تا اپریل ۱۸۵۷ تک پیش آنے والے تمام اہم واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔

''۔۔۔سرکشی کے زمانے میں وہ تمام خط و کتابت، جو مختلف لوگوں سے ہوئی اس کتاب میں شامل ہے۔'' ۱۲

اسبابِ بغاوت ہند: ۱۸۵۹ میں سر سید نے مراد آباد میں ایک فارسی مدرسے کے علاوہ اپنا

مشہور رسالہ ''اسبابِ بغاوت ہند'' لکھا اِس رسالے کے کئی زبانوں کے ترجمے ہوئے۔سر سید نے اِس رسالے میں انگریزوں کے خلاف بڑی جرأت اور سچائی کے ساتھ ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی کے اصل اسباب بیان کئے ہیں۔

''۔۔۔اِس دور میں جرأت اور آزادی سے اپنی بات کہنا ہنسی کھیل نہیں تھا۔سر سید نے اِس کی پانچ سو جلدیں چھپوائیں اور چند جلدیں اپنے پاس رکھ کر باقی سب جلدیں حکومتِ برطانیہ کو اور ایک جلد حکومتِ ہند کو بھیج دی۔حکومتِ ہند کے ایک حلقے میں اِسے باغیانہ تحریر کیا گیا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ شائع نہیں کی گئی ہے۔۔۔۔تو معاملہ دب گیا۔'' ۱۳

۱۸۶۰ء میں سر سید نے اُردو اور انگریزی زبان میں ''رائل محمڈن آف انڈیا'' کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس کے صرف تین شمارے ہی نکل سکے اور ۱۸۶۱ میں یہ بند ہو گیا۔اِس رسالے میں انہوں نے اُن مسلمانوں کا تعارف کروایا ہے جنھوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ کے دوران انگریزوں کا ساتھ دیا تا کہ مسلمان اُن کے غضب سے بچ سکیں۔

مسلمانوں کو انگریزوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے سر سید نے لفظ نصاریٰ کی تحقیق کر کے ایک رسالہ نکالا تا کہ انگریز اِس لفظ کے مطلب کو سمجھ سکیں کیونکہ،

''۔۔۔نصاریٰ کا لفظ استعمال کرنے پر کان پور میں ایک مسلماں کو انگریزوں نے اِس ''جرم'' میں پھانسی دی تھی۔'' ۱۴

سر سید نے ضیا برنی کی تصنیف ''تاریخ فیروز شاہی'' کی تصحیح کی۔

جمیل جالبی نے اِس کتاب پر اِن الفاظ میں تحقیقی تبصرہ کیا ہے۔

''قیامِ مراد آباد کے زمانے میں سر سید احمد نے ضیاالدین برنی کی ''تاریخ فیروز شاہی'' کو چار خطی نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کر کے مرتب کیا جسے ۱۸۶۲ میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے شائع کیا۔اِس کا دیباچہ سید احمد نے اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کے ۲۴ اگست ۱۸۶۶ کے شمارے میں بھی شائع کیا۔ ۱۵

سر سید احمد خان نے ہندوستانی قوم کے اتحاد اور مسلمانوں اور انگریزوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لیے اپنی تحریروں کا سہارا لیا اور کوشش کی کہ اِن کے آپس کے اختلاف اور بدگمانیاں ختم ہو جائیں۔''تبین الکلام'' جو سر سید نے مراد آباد میں لکھنا شروع کی تھی غازی پور میں جا کر مکمل ہوئی۔

اِس کتاب کا پس منظر اور مقاصد کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے کیوں بیان کیا ہے،

''سرسید احمد خان بدلے ہوئے سیاسی وتہذیبی منظر میں مسلمانوں کی ترقی اور بقاء کے لیے عیسائی اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اِس زاویے سے بائبل کی تفسیر لکھنے کا منصوبہ بنایا اور بڑی محنت سے اس موضوع پر یورپین مصنفین کی مستند کتابیں فراہم کیں۔ عبرانی وانگریزی زبان کے ماننے والوں کی خدمات حاصل کیں۔ حدیث وتفسیر قرآن کے حوالوں کے لیے ایک عربی عالم کو ملازم رکھا۔ یہ ایک مشکل کام تھا جسے سرسید نے محنت ولگن سے انجام دیا اور پہلی جلد تیار کی۔ ۱۶؎

سرسید نے ۱۸۶۲ میں جدید سائنسی علوم جو انگریزی زبان میں ہے کا ترجمہ اردو زبان میں کرنے کے لیے ایک ادارہ ''سائنٹفک سوسائٹی'' کے نام سے قائم کیا اور تراجم کا کام شروع کر دیا۔ اور پھر ۱۸۶۲ میں چندہ جمع کر کے غازی پور میں ہی ایک مدرسہ قائم کیا۔

۱۸۶۴ میں سرسید کا تبادلہ غازی پور سے علی گڑھ ہوا تو ''سائنٹفک سوسائٹی'' کا دفتر پورے عملے سمیت علی گڑھ منتقل کر دیا۔ سوسائٹی کا صدر ایک انگریز جج مقرر ہوا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے تحقیق سے ''سائنٹفک سوسائٹی'' میں ہونے والی علمی سرگرمیوں کو یوں بیان کیا ہے۔

''سوسائٹی کے جلسوں میں ہر مہینے نئے نئے موضوعات پر لیکچر کا انتظام کیا جاتا تھا۔ یہاں سے کئی مفید کتابیں ترجمہ ہو کر شائع ہوئیں جن میں الفنسٹن کی تاریخ ہندوستان، رولن کی ''تاریخ مصرِ قدیم''، ''تاریخِ یونان قدیم''، اسکاٹ ہرٹ کا رسالہ سیاست مدن، مرجان میلکم کی ''تاریخِ ایران'' ریورنڈ ایکسوس کی ''تاریخِ چین'' کا فارسی سے ترجمہ وغیرہ شائع ہوئے۔ ۱۷؎

۱۸۶۶ میں سرسید نے ''سائنٹفک سوسائٹی'' سے ایک ہفتہ وار اخبار ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کے نام سے نکالا جو سرسید کی وفات تک شائع ہوتا رہا۔

جب ملکہ وکٹوریہ نے حکومتِ ہند کے اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے تو سرسید نے ۱۰ مئی ۱۸۶۶ میں ''علی گڑھ برٹش انڈین ایسوسی ایشن'' اس مقصد کے لیے قائم کی کہ انہیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے برطانوی حکومت کا تعاون مل سکے۔ انہیں اپنے مقصد میں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن سرسید کے بنارس میں تبادلے کے بعد یہ انجمن قابلِ ذکر کام نہ کر سکی۔

۱۸۶۷ میں سرسید نے ''علی گڑھ برٹش انڈین ایسوسی ایشن'' کو ایک درخواست بھیجی جس میں یہ مطالبات پیش کیے۔

''ا۔) اعلیٰ درجے کی تعلیم کا ایک سرشتہ قائم کیا جائے جس میں بڑے بڑے علم وفنون کی تعلیم دیسی زبان میں ہوا کرے۔

۲۔) دیسی زبانوں میں انہیں مضمونوں کا سالانہ امتحان ہوا کرے جن میں اب طلبہ کلکتہ یونیورسٹی میں انگریزی میں امتحان دیتے ہیں۔

۳۔) جو سندیں انگریزی میں طلبہ کو علم کی مختلف شاخوں میں دی جاتی ہیں وہی سندیں اِن طلبہ کو بھی عطا ہوا کریں۔

۴۔) اردو فیکلٹی یا تو کلکتہ یونیورسٹی سے قائم کی جائے یا شمالی مغربی اضلاع میں ایک جدا یونیورسٹی دیسی زبان میں قائم ہو۔

۵۔) اِس غرض سے انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کا کام جہاں تک ممکن ہوگا ''سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ'' انجام دے گی۔۱۸

سرسید کے اِن خیالات کو حکومتِ ہند نے سراہا اور ساتھ میں یہ بھی تجویز پیش کی کہ صرف نصاب کی انگریزی کتابوں کا ہی نہیں بلکہ اعلیٰ علوم کی دوسری کتابوں کا بھی دیسی زبانوں میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دلی سے پیارے لال ،مولوی ذکاءاللہ اور پنڈت دھرم نرائن ترجمہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے بحث مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ،

''۔۔۔یہ یونیورسٹی لاہور میں قائم کی جائے اور اگر دونوں صوبوں میں ایک ہی یونیورسٹی قائم کی جائے تو اس کا مقام دلی ہونا چاہیئے۔مگر نہ معلوم کس وجہ سے سرسید کی دلچسپی اِس خیال سے ہٹ گئی۔

حالی نے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ '' گورنمنٹ کا ارادہ کلکتہ یونیورسٹی توڑ کر اِس کی جگہ ورنیکلر یونیورسٹی قائم کرنے کا تھا۔۱۹

جن پر سرسید نے یہ تجویز پیش کی،

''۔۔۔ایسوسی ایشن کی ہرگز یہ رائے نہیں ہے کہ انگریزی صرف بطور ایک زبان کے سکھائی

جائے اور اس کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ نہ گردانا جائے بلکہ اس کی یہ خواہش ہے کہ انگریزی تعلیم کا طریقہ بدستور جاری رہے مگر اس کے ساتھ ایک رشتہ قائم کیا جائے جس سے انگریزی علوم وفنون اور خیالات ایسی زبان کے ذریعے بکثرت عام ہندوستان میں پھیلائے جائیں۔ پس یا تو کلکتہ یونیورسٹی میں ایک شعبہ قائم ہو یا ایک جداگانہ ورنیکلر یونیورسٹی خاص اِس اضلاع میں قائم ہو'' ۔ ۲۰

جب سرسید کو احساس ہوا کہ ورنیکلر یونیورسٹی کی تجویز اب اِن کے مقاصد کو پورا نہیں کر سکتی تو اُنہوں نے اس کو نظرانداز کر دیا۔ اصل میں سرسید کی تجویز پر اگر عمل کیا جاتا تو اُردو زبان کے فروغ کے امکانات زیادہ تھے اِس لیے ہندوؤں نے اِس کے خلاف آواز اُٹھائی اور اُردو کے ساتھ ہندی زبان کی بات ہونے لگی۔

حیاتِ جاوید میں حالی نے اِس کی وضاحت یوں کی ہے۔

'' اُردو زبان کے مخالفوں نے اخباروں میں اِس بات کی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی کہ اس یونیورسٹی میں مسلمانوں کے لیے اُردو اور ہندوؤں کے لیے ہندی زبان مخصوص کی جائے اور باوجود تسلیم کرنے اِس بات کے کہ ہندی زبان سرِدست ترجمہ کی قابلیت نہیں رکھتی اِس امر پر زور دیا جاتا تھا کہ اِس کی ترقی میں کوشش کر کے اِس کو ترجمہ کے لائق بنا دیا جائے۔'' ۲۱

سرسید کی ہر ممکن کوشش تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی اور دوری پیدا نہ ہو لیکن مل جُل اور ایک قوم بن کر رہنا ہندوؤں کو پسند نہ تھا لہٰذا انہوں نے مسلمانوں اور اُردو زبان کی مخالفت شروع کر دی۔

انگریز بھی مسلمانوں اور ہندوؤں کو لڑتے جھگڑتے دیکھنا چاہتے تھے انگریزوں نے اِس نفرت کو ہوا دی ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق ،

''۔۔۔ اِس زمانے میں انگریز مدارس کے نصاب میں تاریخ ہندوستان کی وہ کتابیں شامل تھیں جو مسلمانوں کے خلاف تعصب سے بھری ہوئی تھیں جن میں خصوصیت سے مسلمانوں کی ظالمانہ کاروائیوں کو تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا تھا۔'' ۲۲

اُردو زبان جو اصل میں ہندی بھاشا کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اِس کی ترقی مسلمانوں کے عہد میں ہوئی۔

اِس لیے ہندہندی بھاشا کی جگہ دیوناگری کورائج کرنا چاہتے تھے۔

''۔۔۔چنانچہ ۱۸۶۷ میں بنارس کے بعض سربرآوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہوتمام سرکاری عدالتوں میں سے اُردو زبان اور فارسی خط کے موقوف کرانے میں کوشش کی جائے اور بجائے اِس کے بھاشازبان جاری ہوجو دیوناگری سے لکھی جائے۔'' ۲۳؎

۱۸۸۲ میں شمال مغربی اضلاع اور پنجاب کے ہندوؤں نے اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کے خلاف آواز اُٹھائی، جواباً سرسیداوراُن کے حامیوں نے بھی ''انجمن حیات اُردو'' قائم کی اور جواباً کمیشن کو عضر بھی بھیجے۔

''۱۸۹۸ میں سرانتھونی میک ڈونلڈ کی سرکار میں اضلاع شمال مغرب واودھ کے سربرآوردہ ہندوؤں نے ایک یاداشت پیش کی کہ عدالتوں کچہریوں میں اُردو زبان وفارسی رسم الخط کے بجائے ہندی بھاشا اورناگری خط جاری کیا جائے۔'' ۲۴؎

سرسیداحمد خان جب تک زندہ رہے تمام مخالفتوں کا مقابلہ کرتے رہے اور یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے رہے کہ اُردو کی مخالفت محض قومی تعصب کی وجہ سے ہے۔

۱۸۹۸ میں سرسید کی وفات کے بعد انتھونی میک ڈونلڈ نے ہندوؤں کے مطالبات کو مان لیے اور ہندی ودیوناگری رسم الخط رائج کردیا۔

جب ۱۸۶۹ میں وظیفے پر برطانیہ جانے کے لیے سرسید کے بیٹے سید محمود کا انتخاب ہوا تو سرسید اوراُن کے بیٹے سید محمود بھی اُن کے ساتھ گئے اور ذاتی اخراجات پُورے کرنے کے لیے اپنا کتب خانہ فروخت کردیا اوراپنے گھر کو گروی رکھوادیا۔ بنارس سے انگلستان کے سفر کی تفصیل سرسید احمد خان نے ''مسافرانِ لندن'' میں لکھی ہے۔

لندن میں سرسید کو بہت عزت ملی اور بڑے بڑے اعزازات سے نوازا گیا۔

''۔۔۔انگریزوں نے اِن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ۶ ،اگست ۱۸۶۹ کو انڈیا آفس میں تقریب منعقد ہوئی اور اِن کو سی ایس آئی کا خطاب اور تمغہ بھی دیا گیا۔'' ۲۵؎

لندن کے قیام کے دوران سرسید نے وہاں کے نظام تعلیم کو دیکھا اور کیمرج یونیورسٹی کے طرزِ تعلیم سے متاثر ہوئے۔

لندن کے قیام کے دوران انہوں نے ''خطباتِ احمدیہ'' لکھی جو مسلمانوں کے تحفظ اور دفاع کے لیے تھی اور سر ولیم لیور کی کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کے اُن اعتراضات کا جواب تھی جو انہوں نے آپ ﷺ پر لگائے تھے۔''خطباتِ احمدیہ'' آپ ﷺ کے ۱۲ خطبات پر مشتمل ہے۔سرسید خطبات احمد کے بارے میں ایک خط میں لکھتے ہیں،

''۔۔۔میں شب و روز تحریر کتاب سر مصطفوی صلعم میں مصروف ہوں سب کا چھوڑ دیا ہے ۔۔۔ ادھر فکر ترکیب مضامین ادھر فکر جواب اعتراضات۔۔۔الٰہی! لکھنا اور چھپوانا تو شروع کر دیا، روپیہ کہاں سے آوے گا۔'' ۲۶

سرسید احمد خان ۴ ستمبر ۱۸۷۰ میں بنارس واپس آ گئے اور انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم و ترقی کے لیے عملاً کوششیں شروع کر دیں۔

''۔۔۔انہوں نے اپنے علم دوست احباب و رفیق کاروں سے مشورہ اور کافی غور و خوض کے بعد تعلیم کے سلسلے میں تین تجاویز پیش کیں۔

۱۔) کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ مسلمان تعلیم میں دلچسپی کیوں نہیں لیتے۔

۲۔) تعلیم کی عدم دلچسپی کی وجوہات معلوم ہونے پر انہیں دور کر کے تعلیم کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔) ایک ایسا مدرسۃ العلوم قائم کیا جائے جو مسلمانوں کی تعلیمی غرض و غایت کے لیے مناسب ہو۔'' ۲۷

پہلی تجویز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سرسید نے ''کمیٹی خواستگارِ ترقی و تعلیم مسلمانان'' بنائی تا کہ معلوم کیا جائے کہ مسلمان جدید تعلیم سے دلچسپی رکھنے کے بجائے خود کو قدیم تعلیم تک ہی محدود کیوں رکھنا چاہتے ہیں۔اِس سلسلے میں انہوں نے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں سے مشورے کے لیے اور اِن مسائل کو حل کرنے کے لیے مضامین بھی لکھوائے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کی تحقیق کے مطابق،

''۔۔۔انہوں نے ''کمیٹی خواستگار ترقی و تعلیم مسلمانان'' قائم کی اور ساتھ ہی ۱۸۷۰ میں

''تہذیب الاخلاق'' کی بنیاد رکھ دی جس کا پہلا پرچہ یکم شوال ھ/۲۴دسمبر ۱۸۷۰ءکو شائع ہوا۔'' ۲۸

ڈاکٹر جمیل جالبی ''تاریخ وادب میں لکھتے ہیں کہ،

''۔۔۔تہذیب الاخلاق ابوعلی مسکویہ کی وہ اہم تصنیف تھی جس کے فن اخلاق سے متعلق حصے کا عربی سے فارسی میں ترجمہ خواجہ نصیرالدین طوسی نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''اخلاقِ ناصری'' میں شامل کیا تھا۔'' ۲۹

تہذیب الاخلاق سر سید کے تمام کارناموں میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔جب سر سید انگلستان کے دورے پر گئے تو انہیں پتا چلا کہ انگلستان میں ایڈیسن اور اسٹیل نے اپنی قوم کی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لیے دو رسالے اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر نکالتے ہیں اور اِس میں ایسے مضامین شامل ہوتے ہیں جس سے قوم کی اخلاقی طور پر اصلاح ہوتی ہے تاکہ وہ اچھے شہری اور مضبوط شخصیت کے مالک بن سکیں ،تہذیب الاخلاق کے پہلے پرچے کی تمہید میں سرسید نے اِس رسالے کے واضح مقاصد بیان کئے،

''۔۔۔اِس پرچے کے اجراء کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کامل درجے کی سویلائزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جاوے تاکہ جس حقارت سے سویلائزڈ یعنی مہذب قومیں اِن کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز ومہذب قوم کہلاویں۔'' ۳۰

۱۲۸۷ ہجری میں نکالا جانے والا رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' ۱۲۹۴ھ تک شائع ہوسکا۔کیونکہ اِس بعد یہذیب الاخلاق کیلئے چندہ ملنا دشوار ہوگیا تھا اور سرسید بھی کسی حد تک مطمئین ہوگئے تھے کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سوچ وفکر وغیرہ کی جس طرح اصلاح کرنا چاہ رہے تھے اس میں اُنہیں کامیابی مل رہی تھی۔۔

گو کہ سرسید نے ''تہذیب الاخلاق'' معاشرتی اصلاح کے لیے نکالا تھا لیکن تہذیب الاخلاق میں لکھے جانے والے مضامین انگریزی مذہب،تہذیب وتمدن،زبان وادب اور دوسرے موضوعات پر بھی تھے یہ مضامین انگریزی سے تراجم شدہ بھی تھے۔سرسید نے خود بھی لکھے اور ان کے ساتھیوں نے بھی اِس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کیں۔اور اِس کے اثر سے معاشرے میں مذہبی،اخلاقی اور ادبی سطح پر تبدیلیاں آئیں۔جس کا ذکر سرسید نے تہذیب الاخلاق کے ایک شمارے میں یوں کہا،

''جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اُردو زبان کے علم وادب کی ترقی میں اپنے اِن ناچیز پرچوں

کے ذریعے سے کوشش کی مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا جہاں تک ہماری کچ مج زبان نے یاری کی الفاظ کی درستی، بول چال کی صفائی کی رنگین عبارت جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں میں رہتی ہے۔ دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پرہیز کیا۔۔۔۔ جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت پر توجہ دی۔ ۳۱

''تہذیب الاخلاق''۔۔۔پہلی بار ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ کو نکلا اور سات سال تک پابندی سے شائع ہوتا رہا اور رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ میں اسے اس لیے بند کر دیا گیا کہ مولانا امداد العلی خان نے کالج کی حمایت کے لیے شرط رکھی تھی کہ ''تہذیب الاخلاق'' بند کر دیا جائے یا اس میں کوئی مضمون مذہب کے متعلق مت لکھو۔'' ۳۲

''۔۔۔دوسری بار'' تہذیب الاخلاق'' جمادی الاول ۱۲۹۶ھ کو شائع ہوا اور دو برس پانچ ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔ تیسری بار محسن الملک کی تحریک پر یکم شوال ۱۳۱۱ھ کو سرسید اسے پھر شائع کیا اور تین برس جاری رہ کر بند ہو گیا۔'' ۳۳

سرسید کے اسلوب پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اِن کی تحریروں میں طویل اور بے ترتیب جملے ہوتے ہیں یا بعض اوقات لفظوں اور جملوں کی تکرار کی جاتی ہے جس سے اِن کی تحریر پر بُرے اثرات پڑتے ہیں، انگریزی الفاظ یا انگریزی اور اُردو ملا کر بھی لفظوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثلاً ریڈریں، لیڈری

ڈاکٹر جمیل جالبی کی رائے کے مطابق،

''۔۔۔سرسید کی نثر بھی سادگی کے ساتھ نفاست کا اثر قائم کرتی ہے اس لیے ہم اِسے ''حقیقی نثر'' کا نام دے سکتے ہیں بول چال کی نثر کی بنیاد جذبات و تخیل کی رو پر قائم ہوتی ہے۔ حقیقی نثر وہ ہے جس پر عقل (Reason) حاوی ہوتی ہے سرسید کی نثر اِسی ذیل میں آتی ہے اور یہی اِن کی انفرادیت ہے۔'' ۳۴

سرسید نے اُردو اور مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کیلیے ہر ممکن کوشش کی لیکن انہیں اِس کے بدلے پذیرائی کم اور مخالفت زیادہ ملی۔ لیکن نہ ان کے ارادے کمزور ہوئے، نہ خلوص اور نیک نیتی میں کمی آئی بلکہ ایک کے بعد دوسرے مقصد کے حصول کیلیے کامیاب ہونے تک کوشاں رہے۔ تہذیب الاخلاق

کیلیے بھی مالی تعاون کی ضرورت تھی اور''مدرسۃ العلوم'' کو چلانے کے لیے بھی سرسید نے مولانا امداالعلی کی تجویز پر عمل کیا اور'' تہذیب الاخلاق'' بند کرکے'' مدرسۃ العلوم'' کی ترقی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔اِس کے لیے بھی انہیں بہت سی مخالفتوں اور الزامات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ ہمیشہ کی طرح ڈٹے رہے اور بالآخر کامیاب بھی ہوئے۔

''۔۔۔۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو ملکہ وکٹوریہ کی سالگرہ کے دن مدرسہ کا افتتاح ہوا اور یکم جون ۱۸۷۵ء سے تعلیم شروع ہوگئی ۱۸۷۶ء میں سرسید پنشن لے کر علی گڑھ آگئے اور دن رات کالج کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔۔۔۔۸ جنوری ۱۸۷۷ء کو۔۔۔لارڈلٹن وائسرائے وگورنر جنرل ہند نے کالج کا سنگِ بنیاد رکھا۔'' ۳۵

بلاشبہ سرسید احمد خان جدید اُردو نثر کے بانی ہیں اِن کی علمی وادبی سیاسی خدمات کو ہمیشہ سراہا جائے گا۔علم وادب اور سیاسی سوچ وفکر میں سرسید نے جو جدت پیش کی وہ قابلِ ستائش ہے۔انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور ہر میدان میں ترقی کے لیے علمی وادبی تحریریں اور جدید تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لیے ادارے قائم کئے۔اپنی تحریروں کے ذریعے انہوں نے مسلمانوں کے ذہن اور سوچ سے بے علمی، توہم پرستی ،غلط رسم ورواج اور مذہبی فرقہ بندی سے نجات دلانے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔

اِس کے ساتھ انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے انگریزوں کے دل سے مسلمانوں کے لیے نفرت وتعصب کو مٹانے کی کوشش کی اِس سلسلے میں انہوں نے ،۱۸۴۹ میں کلمۃ الحق لکھی جو پیری مریدی کے خلاف تھی۔۱۸۵۰ء میں راہِ سنّت ور دِبدعت لکھی جس میں طریقہ محمدیت کی تائید ہے۔

'' خطبات احمدیہء میں انہوں نے سر ولیم کی کتاب'' لائف آف محمدؐ'' میں کیے گئے اُن اعتراضات کا جواب دیاہے جواُس نے آپ ﷺ پر کیے تھے۔

سرسید کے زمانے میں بعض مسلمان فرقوں میں بٹ گئے تھے اپنے فرقے کی فکر وسوچ پر بغیر کسی مضبوط دلیل کے شدت سے قائم تھے اور پیری مریدی ہی نجات وکامیابی کا واحد ذریعہ سمجھا جاتا،

ڈاکٹر جمیل جالبی نے سرسید کے زمانے میں مذہبی صورتِ حال کو یوں بیان کیاہے،

''۔۔۔محیرالعقول کرامات ،قبر پرستی، بدعات،عرس، فاتحہ،وظیفے اور چلے اِس کے عقیدے

میں شامل ہو گئے تھے۔اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر بھی اپنے وقت کے بزرگوں کے مرید تھے۔۔۔شاہ عبدالعزیز اور اِن کے خاندان کے بزرگ لڑکوں کو بعض بیماروں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک گنڈا دیا کرتے تھے جس میں ایک تعویز بھی ہوتا تھا اور اِس تعویز میں ایک حرف یا ہندسہ سفید مرغ کو ذبح کر کے اِس کے خون سے لکھا جاتا تھا اور اس لڑکے کو پہنایا جاتا تھا بارہ برس کی عمر تک انڈا یا مرغی کھانے کا اِس کو امتناع ہوتا۔'' ۳۶

ایک طرف تو سرسید نے مسلمانوں کو معاشرتی اور مذہبی معاملات میں توہم پرستی، جعلی پیروں کی جھوٹی کرامات۔قبر پرستی وغیرہ سے نجات دلانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اسلامی تعلیمات، قرآن کی تفسیر اور پیغمبروں کے معجزات کو عقل پر پرکھ کر نعوذ باللہ غلط ثابت کرنے لگے۔اور ایسے تصورات پیش کیے جو اسلام کی منافی اور عیسائیت دوسرے لفظوں میں انگریزوں کی خوشنودی کیلیے تھے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق،

''سرسید خدا کو بھی عقل ہی سے پہچانتے ہیں۔عقل ہی سے اچھے بُرے کی تمیز رونما ہوتی ہے اسلام و کفر میں تمیز، حسن و قبح میں فرق بھی عقل ہی سے قائم ہوتا ہے۔'' ۳۷

مذہب کے معاملات میں سرسید کا اپنی سوچ و فکر پر فخر کرنا اور اِسے ترقی و کامیابی کا راستہ سمجھنا نہ صرف مسلمانوں کے لیے تکلیف دہ بنا بلکہ سرسید کیلیے نقصان دہ ثابت ہوا سرسید کے ساتھیوں نے بھی مذہب کے معاملات میں اِن سے اختلاف کیا اور مولانا الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا شبلی نعمانی اِن سے الگ رائے رکھتے ہیں۔

''سرسید کے اِس نقطہ نظر کا قوی ترین مخالفانہ ردِ عمل علامہ اقبال کے تصورات کی صورت میں ہوا جن کی بنیاد اِس خیال پر ہے کہ حقائق کا کامل ادراک عقل سے نہیں بلکہ وجدان اور حاسہ مذہبی ہی سے ممکن ہے۔'' ۳۸

ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اُردو کی چوتھی جلد میں اُردو کے عناصر خمسہ کو ادب کے دیگر موضوعات کی طرح بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

انہاں نے عناصر خمسہ کی تمام شخصیات کی زندگی کے ہر پہلو پر تحقیق و تنقید کی ہے۔تاریخ ادب اُردو کی ہر جلد کی طرح چوتھی جلد کے مطالعہ کرنے کے بعد ڈاکٹر جمیل جالبی کو غیر معمولی محقق و نقاد اور مورخ

کہنا بے جانہ ہوگا۔

تاریخ ادب اُردو پر ڈاکٹر خاور جمیل نے یوں تبصرہ کیا ہے،

''کتابیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کئی ہزار کتابیں اور رسالے کھنگالڈالے ہیں۔'' ۳۹

ایک اور جگہ لکھا ہے کہ،

''پاپا تاریخ ادب اُردو کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ میری خواہش تھی کہ تاریخ ادب اُردو کی ایک ایسی تاریخی کتاب لکھی جائے جو پرانے سانچوں کو توڑ کر ادبی تاریخ نویسی کا ایک نیا ڈھانچہ فراہم کردے اس میں حالات و واقعات صحیح اور درست ہوں جو حقیقی نقطۂ نظر سے سارے مواد کو کھنگال کر واقعات کے سروں کو دوسرے سے ملاتی ہے جس میں ادبی شخصیات کے تحقیقی کاموں کا جدید انداز سے مطالعہ کیا گیا ہو۔'' ۴۰

اِس مقالے میں اُردو کے عناصر خمسہ کی صرف ایک شخصیت ''سرسید احمد خان'' زیر بحث ہے۔جس پر ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اُردو کی چوتھی جلد میں بڑی تفصیل سے تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

سرسید احمد خان ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے انہوں نے زندگی کے ہر رُخ پر غور وفکر کی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۷ کی جنگِ آزادی کے بعد انہوں نے ہندوستان کو معاشرتی، تہذیبی، سیاسی اور تعلیمی ہر لحاظ سے بہت کمزور پایا، اور انہی کوششوں سے ہندوستانی قوم اور خاص طور پر مسلمانوں کو ہر لحاظ مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے علمی وادبی اور مذہبی خدمات پیش کیں۔

سرسید کی تمام کاوشوں کا ذکر ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی مشہور ومقبول تصنیف ''تاریخ ادب اُردو ''(جلد چہارم) میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ایسی تحقیق کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے جہاں اتنے اعلیٰ درجے کی تحقیق کی ہے وہاں بعض جگہ تکرار بھی ہوئی ہے مثلاً انہوں نے سرسید کی تصانیف پر تبصرہ کیا ہے لیکن جب وہ سرسید کی ادبی خدمات کا ذکر کرتے ہیں تو دوبارہ تصانیف کے بارے میں تحقیق و تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

جب اُن کے مذہبی تصورات کو بیان کرتے ہیں تو دوبارہ مذہبی موضوعات پر لکھی جانے والی

تصانیف پر گفتگو پیش کرتے ہیں، جس سے بات کی تحریر طویل ہو جاتی ہے۔

ہر باب کے آخر میں ڈاکٹر جالبی نے خواہش دی ہے لیکن کتاب کے آخر میں کتابیات کی تفصیل پیش نہیں کی گئی۔

بقول ڈاکٹر گیان چند جین،

''یہ ایک فرد واحد کا کارنامہ ہے اور اِس میں شبہ نہیں کہ اِس وسیع و عریض کام کو اِس قدر عمق کے ساتھ کوئی ادارہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔۔۔۔اِسے اہل نظر پہچان سکتے ہیں۔جالبی نے جس کثرت سے اصل ادبی وغیر ادبی ماٰخذات کو دیکھا ہے اس کی دوسری نظیر نہیں ملتی۔'' [۱۴]

ڈاکٹر جمیل جالبی جیسی ہمہ جہت شخصیت نے ادب ،زبان، تراجم، تاریخ، تحقیق اور تنقید ہر میدان میں اپنی خدمات پیش کیں جن کی اہمیت کبھی کم نہ ہوگی۔

☆☆☆

<u>حوالہ جات :</u>

۱۔سر سید احمد خان اور اُن کے رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ از سید عبداللہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸ ص (۹)

۲۔مقالات سر سید، مرتب محمد اسمٰعیل پانی پتی ،(جلد ہفتم) ص(۳۔۴) مجلس ترقی ادب لاہور ،۱۹۶۲ بحوالہ تاریخ ادبِ اُردو (جلد چہارم)، ڈاکٹر جمیل جالبی مجلس ترقی ادب اُردو لاہور ۲۰۱۹ ص(۹۔۸)

۳۔مقالات سر سید جلد ۱۶، ص (۸۴۷۔۔۸۵۶) مجلس ترقی اُردو ادب لاہور، ۱۹۶۵ بحوالہ تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)، ڈاکٹر جمیل جالبی مجلس ترقی اُردو ادب لاہور ۲۰۱۹ ص(۹۔۸)

۴۔ ایضاً

۵۔تاریخ ادب اُردو، ڈاکٹر جمیل جالبی ص(۹۔۸)، مجلس ترقی اُردو ادب لاہور ۲۰۱۹

۶۔ ایضاً ص(۹۔۸)

۷۔سر سید احمد خان حالات و افکار، بابائے اُردو مولوی عبدالحق ،ص(۳۴) انجمن ترقی پاکستان، اشاعتِ سوم ۱۹۹۸۔

۸۔''سر سید احمد خان اور اُن کے نامور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی و فکری جائزہ''، سید عبداللہ لاہور ۲۰۰۸ ص (۱۳)

۹۔تاریخ ادب اُردو(جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی، ص(۸۱۰)

۱۰۔تاریخ ادب اُردو(جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی، مجلس ترقی اُردوادب لاہور،طبع سوم اگست ۲۰۱۹ ص (۸۱۰)

۱۱۔حیات جاوید،الطاف حسین حالی، ص(۵۶)،مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ،

بارسوم۱۹۲۲ بحوالہ تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی ص (۸۱۰)

۱۲۔تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی ص(۸۱۲)

۱۳۔ ایضاً ص(۸۳۶)

۱۴۔ حیات جاوید،الطاف حسین حالی، ص(۵۸)بحوالہ تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی ص (۸۱۲)

۱۵۔مقالات سرسید،مرتب محمد اسمٰعیل پانی پتی، ص(۵۰۷)،مجلس ترقی ادب لاہور۱۹۶۵ بحوالہ تاریخ ادبِ اُردو(جلد چہارم)،ڈاکٹرجمیل جالبی ص(۸۱۳)

۱۶۔ تاریخ ادبِ اُردو(جلد چہارم)،ڈاکٹرجمیل جالبی ص(۸۱۳)

۱۷۔ تاریخ ادب اُردو(جلد چہارم)محولہ بالا ص (۸۱۴)

۱۸۔ ایضاً ص (۸۱۵)

۱۹۔ ایضاً ص (۸۱۵)

۲۰۔ حیات جاویدمحولہ بالا ص(۹۰۔۹۱)بحوالہ تاریخ ادب اُردو،(جلد چہارم) ڈاکٹرجمیل جالبی، ص(۸۱۵)

۲۱۔حیات جاویدمحولہ بالا ص(۹۰)بحوالہ تاریخ ادب اُردو، ڈاکٹرجمیل جالبی، ص(۸۱۶)

۲۲۔ تاریخ ادبِ اُردو(جلد چہارم)،ڈاکٹرجمیل جالبی ص(۸۱۶)

۲۳۔حیات جاوید،محولہ بالا ص(۹۳۔۹۴)،بحوالہ تاریخ ادب اُردوڈاکٹرجمیل جالبیص(۸۱۶)

۲۴۔ تاریخ ادب اُردو(جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی، ص(۸۱۸)

۲۵۔ تاریخ ادب اُردو(جلد چہارم)ڈاکٹرجمیل جالبی، ص(۸۱۸)

۲۶۔ ایضاً ص(۸۱۹)

۲۷۔ ’’اُردو کی علمی ترقی میں سرسیداوراُن کے رفقاء کارکا حصہ‘‘ڈاکٹراے۔ایچ ۔کوثرلائبریری

پروموشن بیورو، کراچی ۱۹۸۴ ص(۹۸)

۲۸۔ تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم) ڈاکٹر جمیل جالبی، ص(۸۶۱)

۲۹۔ ایضاً ص(۸۶۱)

۳۰۔مقالات سرسید، (جلد ہشتم)، مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی مجلس ترقی ادب، لاہور۱۹۶۲ص (۱۰۴) بحوالہ تاریخ ادب اُردو، ڈاکٹر جمیل جالبی ص(۸۶۱)

۳۱۔مقالات سرسید، (جلد دہم) مجلس ترقی ادب، لاہور، ص(۷۵۔۷۶) بحوالہ تاریخ ادب اُردو ، ڈاکٹر جمیل جالبی ص(۸۶۶)

۳۲۔مقالات سرسید، (جلد دہم) مجلس ترقی ادب، لاہور، ص(۴۸) بحوالہ تاریخ ادب اُردو ، ڈاکٹر جمیل جالبی ص(۸۶۳۔۸۶۴)

۳۳۔ تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم) ڈاکٹر جمیل جالبی ص(۸۶۴)

۳۴۔ تاریخ ادب اُردو (جلد چہارم) ڈاکٹر جمیل جالبی ص(۸۸۳)

۳۵۔ ایضاً ص(۸۲۱)

۳۶۔ ایضاً ص(۸۴۵)

۳۷۔ایضاً ص(۸۵۳)

۳۸۔ سرسید احمد خان اور اُن کے رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ ، ڈاکٹر سید عبداللہ سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور۲۰۰۸ ص (۳۱)

۳۹۔ڈاکٹر جمیل جالبی (بڑی مشکل ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا) مرتب ڈاکٹر خاور جمیل، اسیٹ پبلشرز کراچی ۲۰۱۶ ص(۱۳۰)

۴۰۔ ایضاً ص(۱۳۰)

۴۱۔ ماہ نامہ قومی زبان، ''ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اُردو، گیان چند جین'' اکتوبر۲۰۱۹ اشاعتِ خاص (ڈاکٹر جمیل جالبی) ص(۱۱۳)

☆☆☆